اور مرزائیوں کا نامور مبلغ جلال الدین شمس مرزا غلام احمد کے دعاوی و اقاویل کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"ان حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے الہامات کو کلام الٰہی قرار دیتے ہیں اور ان کا مرتبہ بلحاظ کلام الٰہی ہونے کے ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید، تورات اور انجیل کا۔" [1]

اور چونکہ مرزائی مرزا غلام احمد کے ہفوات کو کلام الٰہی کا درجہ دیتے اور قرآن حکیم کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے اس نظریہ کو عقائد اساسی میں داخل کر لیا ہے کہ ہر وہ حدیث رسول ہاشمی علیہ السلام جو مرزا غلام احمد کے مخالف ہو مردود اور غیر صحیح ہے۔ اگر وہ بالذات صحیح ہی کیوں نہ ہو اور اس کے برعکس اگر کسی موضوع حدیث سے بھی مرزا غلام احمد کے کسی قول کی تصدیق ہوتی ہو تو وہ حدیث صحیح اور مقبول قرار پائے گی چنانچہ مرزا محمود گوہر فشاں ہیں:

"مسیح موعود (مرزا غلام احمد) سے جو باتیں ہم نے سنی ہیں وہ حدیث و روایت سے معتبر ہیں کیونکہ حدیث ہم نے آں حضرت صلعم کے منہ سے نہیں سنی۔ پس سچی حدیث اور مسیح موعود کا قول مخالف نہیں ہو سکتے۔" [2]

اور اسی اخبار الفضل کے ۲۹ اپریل ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں یہ بھی شائع ہوا کہ:

ایک شخص نے نہایت گستاخی اور بے ادبی سے لکھا ہے کہ احادیث جنہیں ہم نے اپنے محدود و ناقص علم سے صحیح سمجھا ہے ان کے مقابلہ میں مسیح موعود (غلام قادیانی) کی وحی رد کر دینے کے قابل ہے۔ اس نادان نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس طرح تو اسے مسیح موعود کے دعاوی صادقہ سے بھی انکار کرنا پڑے گا۔ وہ احادیث جن سے آپکا دعوے ثابت ہوتا ہے۔ ..... یہ سب محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں مگر خدا کے مامور نے جب اپنے دعوے کا صدق الہامات کے ذریعے پیشگوئیوں اور دیگر نشانات سے ثابت کر دیا تو پھر ہم نے آپ کو حکم و عدل مان لیا اور جس حدیث کو آپ نے (مرزا غلام احمد) نے صحیح کہا وہ ہم نے صحیح سمجھی اور جسے آپ نے متشابہ قرار دیا اسے ہم نے حکم کے تابع کر لیا اور جس حدیث کے بارے میں فرمایا یہ چھوڑ دینے کے قابل ہے وہ چھوڑ دی کیونکہ حدیث تو راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچی

---

[1] منکرین صداقت کا انجام ص ۲۹ مصنفہ جلال الدین شمس [2] اخبار الفضل قادیان مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۱۵ء

اور ہم کو معلوم نہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت کیا فرمایا مگر خدا کا زندہ رسول (غلام قادیانی) جو ہم میں موجود تھا۔ اس نے خدا سے یقینی علم پا کر امر حق پر اطلاع دی اور جب اتباع کامل نبوی سے نبی ہوا تو ہم نے مان لیا کہ آپ کے قول و فعل کے خلاف اگر کوئی حدیث بیان کی جائے تو ہم اسے قابل تاویل سمجھیں گے اس لیے کہ جو باتیں ہم نے مسیح موعود (غلام احمد) سے سنی وہ اس راوی کی روایت سے زیادہ معتبر ہیں جسے حدیث بنی بتایا جاتا ہے"۔[1]

اور مرزائیوں کے دوسرے خلیفہ اور غلام احمد کے فرزند مرزا محمود نے تو قادیان میں خطبۂ جمعہ دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں یہاں تک کہہ دیا:

"پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کوئی نبی آجائے تو پہلے نبی کا علم بھی اسی کے ذریعہ ملتا ہے۔ یوں اپنے طور نہیں مل سکتا اور ہر بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے لیے بمنزلہ سوراخ کے ہوتا ہے۔ پہلے نبی کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا سوائے آنے والے نبی کے ذریعہ دیکھنے کے۔ یہی وجہ ہے کہ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود (غلام قادیانی) نے پیش کیا اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اسی ذریعہ سے نظر آئے گا کہ حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دیکھا جائے۔ اگر کوئی چاہے کہ آپ سے آپ علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر کوئی قرآن کو بھی دیکھے گا تو وہ اس کے لیے یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ والا قرآن نہ ہوگا۔ بلکہ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ والا قرآن ہوگا ....

اسی طرح اگر حدیثوں کو اپنے طور پر پڑھیں گے تو وہ مداری کے پٹارے سے زیادہ وقعت نہ رکھیں گی۔ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے۔ حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے جس طرح مداری جو چاہتا ہے اس میں سے نکال لیتا ہے اسی طرح ان سے جو چاہو نکال لو"۔[2]

---

[1] اخبار الفضل قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۱۵ء [2] خطبۂ جمعہ مرزا محمود مندرجہ الفضل مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۲۴ء

جناب اختر راہی

پر ایک نظر

اناجیلِ اربعہ

بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہِ راست دکھانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام راہ گم کردہ بھیڑوں کے لیے آسمانی ہدایت "انجیل" لائے۔ یہ ہدایت وہی تھی جس کا نقشِ ثانی قرآن حکیم کی صورت میں دنیائے انسانیت کو ہدایت کی راہ دکھا رہا ہے۔ لیکن موجودہ اناجیل کی تعلیمات اس حد تک افسوس ناک ہیں کہ مسیحی علماء ہر نئے نظریے اور ہر جدید خیال کی تائید اناجیل سے لے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسیحی علماء سرمایہ داری اور ظلم و استیصال کو بلا ادنیٰ دقت مسیحؑ کی تعلیمات ثابت کر رہے ہیں۔

اناجیل مروجہ کی تاریخی حیثیت پر گفتگو کرنے کے لیے ہمیں یہ طریقۂ کار اختیار کرنا پڑتا ہے کہ:

۱۔ موجودہ اناجیل کے اصلی یا وضعی ہونے کے لیے قدیم ترین نسخوں کا مطالعہ کیا جائے اور قدیم نسخوں کا جدید تراجم سے مقابلہ کیا جائے۔

۲۔ ان تراجم کی صحت و عدم صحت پر تنقیدی نظر ڈالی جائے

۳۔ عیسائی عالموں کی طرف سے ایسی کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے جن میں اناجیل کے مضامین پائے جاتے ہیں ان مضامین کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے اور تاریخی و سائنسی طور پر ان کی حقیقت واضح کی جائے۔

قدیم نسخے

اس بات پر تمام مسیحی علماء متفق ہیں کہ انجیل کے جس قدر اصلی نسخے تھے سب ضائع ہو گئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی۔ متی کی داخلی شہادت موجود ہے:

"اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی! یعنی اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ مجھے کیوں چھوڑ دیا"[1]

---

[1] متی (۲۷: ۴۶)

تذکرۃ الصدر آیت میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کے ادا کردہ الفاظ "ایلی ایلی لما شبقتنی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان عبرانی ہی تھی مگر آج عبرانی نسخہ صفحۂ ہستی سے ناپید ہے اور اس غائب شدگی کو بارہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ اب یونانی ترجمے ہی عہدِ جدید کی اصلی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ مگر ان چند ایک یونانی ترجموں میں سے کوئی بھی چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں بیان کیا جاتا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (Encyclo pedia Brittanica) کے مقالہ نگار کراوفرڈ برکٹ (BUR KIT) بائبل کے زیر عنوان رقمطراز ہیں:

"بہت عرصہ ہوا کہ عہدِ جدید کے اصلی قلمی نسخے ضائع ہو چکے ہیں۔ سوائے چند ایک منتشر اجزاء کے جو تمام شمالی مصر سے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہی حشر عیسائیوں کی قدیم قلمی کتابوں کا ہوا ہے۔ جب چوتھی صدی میں حکومت عیسائی ہو گئی اور چرچ قائم ہوا تو نسخوں کی باقاعدہ نقلیں شروع ہو گئیں کوڈیکس ——— کہتے ہیں۔ چوتھی صدی کے اس قسم کے دو کوڈیکس ——— اب باقی ہیں اور ان میں جو کچھ درج ہے۔ اسی کو اس دور میں مکمل بائبل تصور کیا جاتا ہے [1]"

اس وقت اناجیل کے صرف تین قدیم قلمی نسخے دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ ایک ویٹیکن میں جس کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ غالباً پانچویں یا چھٹی صدی میں لکھا گیا ہے۔ اس نسخہ میں عہد نامہ عتیق و جدید کی کتابیں یونانی زبان میں ہیں۔ لیکن نامکمل۔ ایک خیال یہ ہے کہ پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں یہی کتابیں عہد نامہ عتیق و جدید متصور ہوتی تھیں اور باقی حصے بعد میں گھڑے گئے۔ موجودہ اناجیلِ اربعہ میں سے لوقا کی انجیل میں حضرت عیسٰی کی پیدائش کا واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ قرآن مجید نے سورہ مریم میں اس واقعہ کو حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل کی تربیت سے شروع کیا ہے۔ لوقا کی مروجہ انجیل میں یہ اندازِ بیان ہے اور نہ باقی تین انجیلوں میں۔ لیکن نسخہ مذکور میں یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح مندرج ہے جیسے قرآن نے بیان کیا ہے۔

دوسرا نسخہ اسکندریہ کا ہے اور برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کے بارے میں ماہرین کا اندازہ ہے کہ پانچویں صدی کے بعد کا ہے۔ یہ نسخہ بھی یونانی زبان میں ہے اور ناقص ہے۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ "بائبل"

تیسرا نسخہ روس کے سابقہ دارالسلطنت پیٹرگراڈ (لینن گراڈ) میں تھا جسے روسیوں نے انگلستان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ نسخہ چوتھی صدی کا مرقومہ ہے۔

ازمنۂ قدیم میں اشاعتِ کتب

ازمنۂ قدیم میں کتابوں کی اشاعت کوئی آسان کام نہ تھا۔ کاغذ کی ایجاد سے پہلے پتھر، سیسے یا لکڑی کی الواح پر عبارتیں کندہ کی جاتی تھیں۔ کلدانی اور بابلی لوگ مٹی کی اینٹیں تیار کر کے ان پر ایک خاص روغن کی تہ چڑھاتے تھے اور پھر ان اینٹوں کو پکا لیتے تھے۔ کالڈیا۔ بابل، نینوا اور مصر میں ایسی ہی اینٹوں پر شاہی فرامین، وصایا، دستاویزات اور دیگر ضروری تحریریں کندہ کی جاتی تھیں۔ عراق میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے ایسی ہی اینٹیں دستیاب ہوئی ہیں جن پر لین دین کے حسابات کندہ ہیں۔

مصریوں نے ایک خاص قسم کی نرسل کے گودے سے کاغذ تیار کیا جسے "پاپرس" کہا جاتا تھا۔ مصر، شام اور یونان میں یہی کاغذ تحریر کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جب مصریوں نے یہ کاغذ دوسرے ملکوں کو بھیجنا بند کر دیا تو ممالک غیر کے باشندوں نے چمڑے کو صاف کر کے اس پر لکھنا شروع کیا۔ اس قسم کے چمڑوں کو پارچمنٹ (PARCHMENTS) کہتے تھے اور صحائف وغیرہ ان ہی پر لکھے جاتے تھے۔ چونکہ اس قسم کی کے پارچمنٹ پر کافی محنت ہوتی تھی اور کافی قیمتی ہوتے تھے۔ لہٰذا جدید نسخوں کے لیے پرانے نسخوں کو چھیل دیا جاتا تھا اور نئی تحریریں لکھ لی جاتی تھیں۔ آٹھویں صدی میں روئی اور ریشم کی آمیزش سے کاغذ تیار کیا گیا اور تیرہویں صدی میں کپڑے سے کاغذ بننے لگا۔

اناجیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تحریر کو قائم رکھنا اور پھیلانا اس قدر مشکل تھا کہ آج اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ لکھی ہوئی چیزوں کو محفوظ رکھنا بھی جان کے ایک روگ سے کم نہ تھا۔ اس لیے قرینِ عقل ہے کہ بائبل کی اشاعت بہت کم ہوئی ہوگی۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بائبل کو حفظ کرنے کا رواج نہ تھا اور نہ عام طور پر تلاوت ہی کی جاتی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد حواری اس انتظار میں تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ واپس آ کر خدائی بادشاہت قائم کریں گے۔ ان کے لیے حضرت عیسیٰ کی یہ روپوشی سوہانِ رُوح تھی اور یہ زمانہ سخت پریشانی کا تھا۔ اس لیے انجیل کی حفاظت، ترتیب و تدوین

اور اشاعت کی طرف توجہ نہ دی جاسکی۔ بعد میں عیسائی چرچ یہودی اور غیر یہودی عناصر کی کشمکش کی آماجگاہ بن گیا اور کئی ایک باہم مختلف الخیال گروہ وجود میں آ گئے۔ ہر گروہ نے انجیلیں مرتب کرنا شروع کر دیں اور انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کی رائے میں اس دور میں ایک سو چونتیس (۱۳۴) اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اناجیل درحقیقت مختلف نقطہ ہائے نظر سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی سوانح ہائے حیات تھیں۔ لیکن حیران کن امر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کی جامع سوانح نہیں ہے۔ شپینگلر آسوالڈ Spengler Oswald نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔

"جب (مسیح) کے دوست اور شاگرد سن رسیدہ ہو گئے اور بیت المقدس میں انہوں نے ان روایات و قصص کو جو زبان زد خلائق تھے۔ ترتیب دے کر سوانح حیات مرتب کی اور یہی انجیل ہے"[1]

بے شمار اناجیل کی وجہ سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی صاف اور بے میل تعلیمات الجھ کر رہ گئیں اور عیسائی امت بیسیوں فرقوں میں بٹ گئی۔ آخر کئی لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک ہی انجیل مرتب ہو تاکہ جماعت میں افتراق و انتشار ختم ہو سکے۔ آخر چوتھی صدی (۳۲۵ء) میں نائیسیا (NICAIA) کے مقام پر شاہ قسطنطین کے زیر صدارت ایک مؤتمر ہوئی۔ اس مؤتمر کا مقصد یہ تھا کہ کلیسیا کے مختلف مکاتب فکر میں جو اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔ ان میں تطبیق کی صورت پیدا کی جائے اور ایک ہی مذہب تشکیل پائے۔ مؤتمر کے بحث مباحثہ نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ کل مندوبین میں سے ایک ہزار سات سو تیس (۱۷۳۰) کو مؤتمر سے نکال دینا پڑا۔ باقی ماندہ مندوبین بھی کسی متفقہ نتیجے پر نہ پہنچ سکے کہ کس انجیل کو باقی رکھا جائے اور کسے ردی کی ٹوکری کی نذر کیا جائے۔ بالآخر ایک رات تمام کتابوں کو فرش پر بچھا دیا گیا اور صبح آکر دیکھا تو چند کتابیں میز پر پڑی ہوئی تھیں۔ جو صحیفے میز پر پڑے ہوئے پائے گئے انہیں مقدس سمجھ کر قبول کر لیا گیا اور باقی تمام اناجیل کو مسترد کر دیا گیا۔ کونسل مذکورہ کی روداد میں مندرج ہے:

"جو کچھ ان تین سو پادریوں نے فیصلہ کیا اسے خداوند کی خوشنودی خیال کرنا چاہیئے۔ بالخصوص اس لیے کہ ان قابل ہستیوں کے دل میں روح القدس سمایا ہوا

---

[1] DECLINE OF THE WEST VOL. PP 212

تھا۔ جس نے خداوند کی مرضی کی طرف راہنمائی کی"۔[1]

یہ ہے اناجیل اربعہ کا انتخاب۔ کس قدر غیر عقلی طریقے سے انتخاب ہوا۔ اگر یہ کونسل تنقیدی نقطۂ نگاہ سے چند کتابیں چن لیتی تو پھر بھی کوئی بات تھی لیکن اس غیر منطقی اور لغو طریقے سے چنی ہوئی کتابیں کیسے قابل اعتماد قرار پا سکتی ہیں۔ سوائے اس قیاس کے "خداوند کی یہی خوشنودی تھی"۔ اس بارے میں کونسی حتمی دلیل ہے کہ یہی کتابیں درست تھیں۔

بائیبل کی اشاعت

جب اناجیل اربعہ کا انتخاب ہو گیا تو پھر بھی ان کی اشاعت و تبلیغ نہ ہو سکی۔ ابتدائی دور میں پادریوں کے سوا کوئی دوسرا عیسائی اپنے پاس بائبل کا نسخہ تک رکھنے کا مجاز نہیں تھا۔ عوام الناس کو انجیل کا مطالعہ کرنے کی ممانعت تھی۔ ۱۵۲۴ء میں شہر پزک میں ایک کتب فروش اس جرم کی پاداش میں قتل کر دیا گیا کہ اس نے ایک انجیل فروخت کی تھی۔ اسی ناقابل معافی جرم کی سزا میں ایک دوسرے بک سیلر کو نورِ بصیرت سے محروم ہونا پڑا۔[2]

انجیلوں کی شہرت مارٹن لوتھر کے زمانے میں ہوئی۔ اگرچہ اس دور میں فن طباعت عام ہو چکا تھا۔ لیکن انجیل نہایت گراں تھی۔ "مذہبی تاریخ کلیسا" کی اطلاع کے مطابق جو انجیل پانسو[۵] میں فروخت ہوتی تھی۔ وہ فن طباعت کی ایجاد کے بعد ایک سو[۱۲] بیس سے کم میں دستیاب نہ ہوتی تھی

متی

عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ سب سے قدیم انجیل ہے۔ آغاز میں عبرانی زبان میں لکھی گئی۔ داخلی شہادت سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے۔[3] لارڈنر نے ادریجن کے تین اقوال نقل کیے ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

ریو صاحب اپنی تاریخ انجیل میں رقمطراز ہیں:

"یہ بات غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں۔ متی نے انجیل یونانی میں لکھی تھی۔ کیوں کہ

---

[1] BOYLE — HISTORICAL VIEW OF THE COUNCIL OF NICIAIA

[2] ملاحظہ ہو کتب سماوی پر ایک نظر صفحہ ۱۱۲ [3] متی (۲۷:۲۴)

یوسی بس (EUSEBIUS) اور بہت سے عیسائی علما نے لکھا ہے کہ متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی نہ کہ یونانی میں" [1]

انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے:

"عہد نامہ جدید کی تمام کتابیں یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں باستثنائے متی و نامۂ عبرانیاں" [2]

مشہور مسیحی عالم جرجی زیدان الفتوحی اللبنانی نے تصریح کی ہے کہ:

"متی نے اپنی انجیل بیت المقدس میں بیٹھ کر ۳۹ء میں عبرانی میں تصنیف کی تھی" [3]

لیکن متی کی انجیل کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک سے زیادہ افراد کی کاوش طبع کا نتیجہ ہے۔ اگر صرف ایک شخص متی ہی انجیل نویس ہوتا تو پھر یہ تذکرہ کیسے آگیا؟

"پھر یسوع وہاں سے آگے بڑھا تو متی نامی ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اسے کہا میرے پیچھے آ۔ وہ اٹھ کے اس کے پیچھے چلا" [4]

عبرانی سے متی کا ترجمہ یونانی میں ہوا لیکن مترجم کا مفصل تذکرہ تو ایک طرف نام بھی معلوم نہیں، اور نہ عبرانی زبان کا قدیم نسخہ ہی موجود ہے۔ لہٰذا مروجہ نسخے کا قدیم نسخے سے تقابل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے زمانہ تصنیف کے بارے میں ٹامس سکاٹ لکھتے ہیں کہ:

"یہ عبرانی انجیل صعودِ عیسیٰؑ سے تقریباً آٹھ سال بعد لکھی گئی۔ بعض کے نزدیک ۳۷ء تا ۳۸ء میں لکھی گئی جب کہ کئی افراد کا خیال ہے کہ ۶۳ء میں مدون کی گئی۔ پروفیسر ہانک کے نزدیک اس کا زمانہ تصنیف ۸۰ء اور ۱۱۰ء کے درمیان ہے"

کچھ بھی ہو بہر حال ثابت ہے کہ ڈیڑھ صدی تک متی کا وجود دنیا میں نہیں پایا جاتا تھا۔ جہاں تک یونانی مترجم کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے پیش نہیں کی جا سکتی۔ پادری صاحبان کا یہ کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ "یہ ترجمہ حواریوں کے کسی مرید نے کیا"

متی کی انجیل میں کئی ایک فاش غلطیاں اور تضادات ہیں۔ جن پر ایک علیحدہ مقالے کی ضرورت ہے۔

---

[1] تاریخ انجیل بحوالہ کتب سماوی پر ایک نظر [2] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ متی [3] قصص القرآن ج ۴ ص ۱۷۷ [4] متی (۹:۹)

مرقس

بعض مورخینِ عیسائیت کا خیال ہے کہ سب سے پہلے "متی" نہیں بلکہ مرقس لکھی گئی۔ مشہور عیسائی عالم گوا ماگ لکھتا ہے کہ:

"مرقس یہودی الاصل تھا۔ پطرس (حواری عیسیٰؑ) کا شاگرد تھا، رومیوں نے جب عیسائیت قبول کی تو ان کے مطالبہ پر مرقس نے یہ انجیل لکھی"[1]

مرقس الوہیتِ مسیح کا منکر تھا اور اس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو نہیں لیا۔ ۶۸ء میں اسکندریہ کے قید خانے میں بت پرستوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ سن تالیف کے بارے میں اختلافِ رائے ہے۔ ایک خیال ہے کہ ۶۱ء میں تالیف ہوئی، لیکن یوسی بس کے بیان کے مطابق ۶۴ء میں لکھی گئی۔

ٹامس سکاٹ نے اپنی رومن تفسیر میں لکھا ہے:

"گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی۔ سب متفق ہیں کہ شہرِ روم میں اس کی تالیف ہوئی۔ مرقس نے اسے لاطینی زبان میں لکھا تھا۔ لاطینی انجیل مرقس کے چند اجزا وینس کے کتب خانے میں موجود ہیں۔"

مسٹر فلپ اپنی تالیف "(churches and Modern Thought)" میں انجیل مرقس کے بارے میں لکھتا ہے:

"ڈاکٹر رابنسن کو اقرار ہے کہ اناجیلِ اربعہ مشکوک ہیں۔ لیکن ان کا خیال ہے کہ انجیل دوم کا مصنف سینٹ مارک (مرقس) معتبر ہے اور یہ کہ مارک (مرقس) پطرس حواری کا ترجمان تھا اور اپنی انجیل کو حواریٔ مذکور کی روایت سے روما میں تحریر کیا۔

بہت خوب! ہمیں یہ نتیجہ تسلیم ہے یعنی یوں خیال کرو کہ انجیل کی روایت ایک ایسے راوی سے ہے جو چشم دید روایت بیان کرتا ہے لیکن اس راوی کو صرف ایک سال (اور بعض کے خیال میں تین سال) صحبتِ مسیح حاصل رہی۔ یہ حواری (پطرس) ناخواندہ تھا۔ تیس چالیس سال کے بعد وہ روایت کرتا ہے۔ جس سے دوسرا شخص مارک (مرقس) دوسری زبان میں قلم بند کرتا ہے اور پھر یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ترجمہ کہاں

---

[1] مروج الاخبار فی تراجم الابرار منقولہ قصص القرآن ج ۴ ص ۱۳۸

تک اصل کے مطابق ہے۔"

لوقا

لوقا انطاکیہ کا رہنے والا تھا اور طبابت کا پیشہ اپنائے ہوئے تھا۔ عیسائی مصنفین کا اتفاق رائے ہے کہ وہ غیر یہودی تھا۔ اس سے دو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں۔ "لوقا" اور "رسولوں کے اعمال" عام خیال ہے کہ انجیل لوقا ۶۰ء کے قریب لکھی گئی۔ لوقا انجیل کی تمہید میں لکھتا ہے:

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب اور بیان کریں جیساکہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ہم تک پہنچایا۔ اس لیے اے معزز تھیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ان کو تیرے لیے ترتیب سے لکھوں" [1]

اس تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ لوقا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت نہیں کی۔ اس کی تحریر کردہ انجیل الہامی نہیں بلکہ سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرکے لکھی گئی ہے۔

اکثر عیسائی علماء، لوقا کو پولوس کا شاگرد اور ترجمان بتاتے ہیں۔ لیکن پولوس کے بارے میں یہ قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے دور سے بھی مسیح کی صورت دیکھی ہو چہ جائیکہ مسیح کی خدمت اور شاگردی کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔ مصنف "تاریخ کلیسا" رقمطراز ہے:

"جب پولوس شہر ترداس میں گیا جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے تو یہاں اس کی لوقا سے ملاقات ہوئی اور اس وقت سے برابر لوقا پولوس کے ساتھ رہا۔" [2]

پولوس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

"وہ متعصب یہودی تھا اور عیسائیت کے خلاف سرگرم کارزار رہتا تھا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کی مخالفت کے باوجود عیسائیت پھیلتی چلی گئی تو وہ عیسائیت کو تباہ کرنے کے لیے بظاہر حلقۂ عیسائیت میں داخل ہوگیا اور عیسائیت کی حقیقی روح کو سبوتاژ کر دیا۔ آج ابنیتِ مسیح اور تثلیث اسی کی کارستانی ہے۔"

لوقا نے معجزات کے بیان میں کذب بیانی اور شاعرانہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ اس لیے لوقا

---

[1] لوقا باب ۱: ۱-۳ [2] تاریخ کلیسا ص ۴۴

کے بعض ابواب تو بعد میں لکھے گئے۔

یوحنّا

یوحنا نام کے ایک حواری عیسٰی ہیں جو گلیل کے بیت صدا میں پیدا ہوئے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں میں شامل ہوئے۔ عام طور پر اس انجیل کو ان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ محض ایک التباس ہے۔ انجیل کے مؤلف کوئی دوسرے یوحنّا ہیں جو ایشیائے کوچک کے رہنے والے تھے۔ اس نے پہلی صدی کے آخر میں اسے مرتب کیا۔ اس انجیل میں فلسفۂ یونان کی رنگینی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر (W. R. Inge) اپنی کتاب (THE FALL OF IDOLS) میں لکھتا ہے:

"بہت کم اہل علم ایسے ہوں گے جو اس امر میں اختلاف رکھتے ہیں کہ یوحنّا (انجیل چہارم) ایشیائے کوچک کے کسی گمنام تصوف پسند نے ۹۵ سنہ اور ۱۲۵ سنہ کے درمیان میں لکھی تھی"۔[1]

وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ یہ انجیل حواری یوحنا ہی نے تالیف کی۔ وہ بھی بعض حصوں کو الحاقی قرار دیتے ہیں۔ ایک بیان ہے کہ:

"یہ انجیل شروع میں بیس ابواب پر مشتمل تھی بعد میں اکیسویں باب کا اضافہ کیا گیا جب کہ یوحنا کا انتقال ہو چکا تھا"۔[2]

اینان "حیات مسیح" میں لکھتا ہے:

"میں کبھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ چوتھی انجیل تمام کی تمام گلیلی کے ماہی گیر کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔ درحقیقت اکثر اضافے بعد میں کیے گئے"۔[3]

اینان کے اس بیان کی تائید میں داخلی شہادت بھی ملتی ہے:

"یہ وہ شاگرد ہے جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا اور ہمیں یقین ہے کہ اس کی گواہی سچی ہے"۔

ظاہر ہے کہ کوئی مؤلف خود یہ فقرات نہیں لکھ سکتا۔ پھر ان باتوں کے لکھنے اور گواہی کے سچا ہونے پر بھی مہر تصدیق ثبت کرنا معنی دارد۔ پس بالکل واضح ہے کہ یہ اکیسواں باب الحاقی ہے۔

---

[1] The fall of The Idols ص ۲۱۱ [2] قصص القرآن ج ۴ ص ۱۸۱ [3] حیات مسیح ص ۱۸۹